OPEN ACCESS
Al-Idrak
Research Journal
ISSN (Online): 2789-3227
ISSN (Print): 2789-3235
www.alidrakresearchjournal.com

علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ: احوال و آثار اور علمی خدمات

Allama Abdul Ghani Nabulsi: Life, works and Scholarly Contributions

☆ **Shaukat Ali**
Phd Scholar, Dept. of Islamic Studies, G C University, Faisalabad, Punjab, Pakistan.
Lecturer Al-Karam international Institute, Bhera

☆☆ **Prof. Dr. Humayun Abbas**
Dean Islamic and Oriental Learning Islamic Studies, G C University, Faisalabad, Punjab, Pakistan.

Citation:
Shaukat Ali and Pro. Dr. Humayun Abbas" Allama Abdul Ghani Nabulsi: Life, works and Scholarly Contributions."Al-Idrāk Research Journal, 4, no.1, Jan-Jun (2024): 150– 172.

ABSTRACT

In the annals of Islamic history, there have been a select few individuals who have delved into the intricate relationship between jurisprudence and Sufism. This area of research, despite its profound significance, has garnered minimal attention. Following in the footsteps of Abdul Wahab Sha'rani, Allama Abdul Ghani Nabulsi emerged as a luminary in the eleventh century Hijri, dedicating his scholarly pursuits to this crucial subject. He stands as a towering figure, equally adept in both jurisprudence and Sufism. Allama Abdul Ghani Nabulsi bequeathed a rich legacy of scholarly works encompassing both fiqh al-zahir (apparent jurisprudence) and fiqh al-batin (inner jurisprudence). His practical life mirrored his profound knowledge, earning him the esteemed reputation of a great jurist during his era while simultaneously being revered as a prominent Sufi leader. This essay aims to shed light on this remarkable intellectual and spiritual personality, delving into his perspectives and thought processes.

Keywords: Jurisprudence, Sufism, Relationship, Abdul Ghani Nabulsi, Life, Thoughts

موضوع کا تعارف

اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوق پر بے شمار احسانات ہیں جو متنوع ہیں، ہر احسان اور انعام اہمیت کا حامل ہے وہ زندگی، صحت، اولاد، رزق، عزت، علم، وقار، تقویٰ اور معرفت جیسے انعامات ہیں، ان احسانات میں سے دو احسان ایسے ہیں جو بہت سے دیگر احسانات و انعامات کا سبب بنتے ہیں وہ ہیں ذہن رسا اور قلب سلیم، ایسے لوگ جن کو یہ دو انعامات حاصل ہوں وہ ایک طرف تو ذہانت کو استعمال کرتے ہوئے ظاہری علوم سے اپنے آپ کو مزین کرتے ہیں اور دوسری طرف دل کی سلامتی و پاکیزگی سے مدد حاصل کر کے وہ باطنی علوم سے اپنی روح کو سیراب کرتے ہیں۔ یعنی ایک طرف وہ فقہ الظاہر کے عالم ہوتے ہیں اور دوسری طرف فقہ الباطن یعنی تصوف کے عارف بھی ہوتے ہیں۔ اسی طرح ان کی عبادات و ریاضات ایک طرف

ظاہری طور پر فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات جیسی ظاہری ضروریات، حاجات اور تحسینیات سے مزین ہوتی ہیں اور دوسری طرف باطنی طور پر خشوع و خضوع اور اخلاص نیت سے آراستہ ہو کر درجہ احسان کو پالیتی ہیں۔ علامہ عبد الغنی نابلسی ایسی ہی یکتائے روز گار ہستیوں میں سے ہیں۔ آپ کا شمار فقہ و تصوف دونوں کی جامع شخصیات میں ہوتا ہے۔ علامہ عبد الغنی نابلسی نے فقہ الظاہر اور فقہ الباطن دونوں پر علمی کام بطور وراثت چھوڑا ہے اور عملی طور پر بھی آپ کی شخصیت ایک طرف اپنے دور میں ایک عظیم فقیہ کی حیثیت سے معروف تھی اور دوسری طرف آپ کو صوفیاء کا سر خیل سمجھا جاتا تھا اس مقالہ میں اس عظیم علمی و روحانی شخصیت کا تعارف اور انکی آراء و افکار کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

علامہ عبد الغنی کے احوال و آثار

آپ کے احوال و آثار میں سے آپ کا نام و نسب، تاریخ پیدائش و وفات، حصول علم، علمی اسفار، اساتذہ و مشائخ اور اولاد امجاد کا تعارف پیش کیا جائے گا۔

نام و نسب

نام کا انسان کی شخصیت پر گہرا اثر ہوتا ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے نام رکھنے کے حوالے سے اپنی اُمت کی رہنمائی فرمائی ہے آپ ﷺ نے برے اور بے معنی ناموں کو تبدیل فرمایا اور اچھے اور با معنی نام رکھنے کی ترغیب دلائی اور حکم فرمایا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے دن تمھیں تمہارے نام اور تمھارے باپوں کے نام سے بلایا جائے گا۔ لہذا اچھے نام رکھو[1]۔

صحیح مسلم کی حدیث میں اچھے نام کی ترغیب ملتی ہے اور اللہ تعالی کے اسماء کے ساتھ عبد کا لفظ لگا کر نام رکھنے کی تحسین فرمائی، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمھارے ناموں میں اللہ تعالی کے نزدیک زیادہ پیارے نام عبد اللہ و عبد الرحمن ہیں۔[2]" علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "تعطیر الانام فی تعبیر المنام" میں اپنا نام "عبد الغنی" والد گرامی کا نام "اسماعیل" اور مشہور نام "ابن نابلسی" تحریر کیا ہے۔

"فیقول العبد الفقیر والعاجز الحقیر عبد الغني بن اسماعیل الشهیر بابن النابلسي الحنفي مذهبا القادري مشر با النقشبندي طریقة [3]:"

---

[1] **سنن ابی داؤد**، کتاب الادب، باب فی تغییر الاسماء، رقم الحدیث: 4948

Sunan abi Dā'ūd, Kitāb al-adab, Bāb fi tghir al-asmā, Raqm al-Ḥadīth: 4948

[2] **صحیح مسلم**، کتاب الآداب، باب نهی عن التکنی بابی القاسم، رقم الحدیث: 2132

Saḥiḥ muslim, Kitāb al-Ādāb, Bāb nahi 'an altkani bābi al-Qāsim, Raqm al-Ḥadīth: 2132

[3] نابلسی، عبد الغنی بن اسماعیل بن عبد الغنی، **تعطیر الانام فی تعبیر المنام** (بیروت: دار الفکر، س۔ن)، 4

nāblsi abdālghni ibn asmā'il ibn 'abdālghni *Ta'ṭīr al-anām fi ta'bir al-manām,* (Bayrūt: dār āl-fikr, s.n.), 4

یعنی نام عبد الغنی، والد کا نام اسماعیل شہرت ابن نابلسی، مذھبا حنفی مشربا قادری اور سلسلہ طریقت کے اعتبار سے نقشبندی ہیں۔

علامہ عبد الغنی کا نسب "عبد الغنی بن اسمعیل بن عبد الغنی بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم" ہے۔ آپ کے والد گرامی اسماعیل بن عبد الغنی بن اسماعیل بن احمد بن ابراہیم نابلسی دمشق میں پیدا ہوئے آپ مشہور حنفی عالم تھے۔ آپ فقہ کے بحر ذخار کے ماہر غواص مانے جاتے تھے۔ قوی حافظہ رکھتے تھے۔ آپ اپنے دور میں علم فقہ میں سب سے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ ابتداء امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ آپ نے علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "شرح المنہاج" پر حاشیہ بھی تحریر کیا جس کا نام "التحفہ" رکھا۔ بعد میں حنفی مسلک کو اختیار کر لیا اور بہت سی کتب تصنیف کیں جن میں سے مشہور بارہ جلدوں پر مشتمل "الأحکام شرح الدرر" ہے۔

تاریخ پیدائش

معجم المؤلفین میں[1] آپ کی ولادت کی تاریخ 10 ذی الحجہ 1050ھ ہے۔ آپ کی جائے پیدائش دمشق ہے اس وجہ دمشقی کہلاتے ہیں۔

نابلسی نسبت کی وجہ

نسبت عام طور پر شہر، قبیلے، فقہی مسلک، نسبت طریقت وغیرہ کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ علامہ عبد الغنی کی نسبت "نابلسی" آپ کے آباء واجداد سے چلی آرہی ہے۔ اس کا سبب آپ کے آباء واجداد کا فلسطین کے شہر "نابلس" سے تعلق ہے۔

نابلس شہر کی وجہ تسمیہ اور درست اعراب

اس علاقے میں ایک وادی میں بہت بڑا سانپ تھا جس کا نام ان کی زبان میں "لس" تھا۔ لوگوں نے اس پر قابو پا کر اس کو مار دیا اور اس کے نوکیلے دانتوں کو نکال کر شہر کے دروازے پر لٹکا دیا اس وجہ سے اس کو "ناب لس" کہا جانے لگا۔ یعنی سانپ کے نوکیلے دانت پھر اس کو ملا کر لکھنے کا رواج ہو گیا، جیسا کہ "معجم البلدان" میں مذکور ہے:

"سئل شیخ من اهل المعرفة من أهل نابلس لم سمیت بذلك فقال: إنه كان ههنا واد فيه حية قد امتنعت فيه وكانت عظيمة جدا و كانوا يسمونها بلغتهم لس فاحتالوا عليها حتى قتلوها و انتز عوانا بها و جاءوا بها فعلقوها على باب هذه المدينة فقيل : هذا ناب لس، أى ناب الحية، ثم كثر استعمالها حتى

[1]کحالۃ، عمر بن رضا بن محمد راغب، **معجم المؤلفین** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، س۔ن)، 2:277

Kaḥḥālah, Umar ibn Riḍā ibn Muḥammad Rāghib, *Mu'jam al-mu'allifīn,* (Bayrūt: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, s.n.), 2:277

كتبوها متصلة نابلس هكذا وغلب هذا الاسم عليها : وهي مدينة مشهورة بأرض فلسطين[1]۔"

اور "نابلس" کا اعراب "با" اور "لام" کے ضمہ کے ساتھ "نابُلُس" ہے۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا تعارف

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی زینب تھا، نانا جان کا نام "شیخ محمد" تھا آپ کی والدہ کا پورا سلسلہ نسب زینب بنت شیخ محمد بن شیخ برھان الدین ابراھیم بن احمد بن یحی دمشقی ہے۔ آپ ایک نیک، صالح، دیندار اور صوم وصلوۃ کی پابند خاتون تھیں۔ علامہ عبد الغنی کی شخصیت اور تربیت و پرورش سے آپ کی والدہ کا مقام و مرتبہ واضح ہو جاتا ہے کیونکہ والدہ ہی ایک ایسی شخصیت ہوتی ہے جس کی تربیت انسانی زندگی پر دیرپا اثرات مرتب کرتی ہے۔

آپ کا وصال دمشق میں پھیلی ہوئی طاعون کی وجہ سے 1104ھ میں ہوا۔ آپ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور شیخ نصر مقدسی قدس سرہ العزیز کے مزارات کے قریب دفن کیا گیا۔

ولادت سے قبل بشارت

آپ کی ولادت سے پہلے آپ کی والدہ ماجدہ کو ایک صالح مجذوب شیخ محمود نے بچے کی ولادت کی بشارت دی اور چاندی کا ایک درہم دیا اور کہا کہ اس کا نام "عبد الغنی" رکھنا کیونکہ وہ نصرت یافتہ ہے۔ اس وقت آپ کے والد گرامی سفر پر تھے شیخ محمود تو آپ کی ولادت سے پہلے وفات پا گئے لیکن جو وقت بتایا گیا تھا اس پر ہی آپ کی ولادت ہوئی۔ سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر، میں اس بشارت کا تذکرہ ان الفاظ میں ہے۔

" وكان والده سافر إلى الروم وهو حمل فبشر والدته به المجذوب الصالح الشيخ محمود المدفون بتربة الشيخ يوسف القميني بسفح قاسيون واعطاها درهما فضة وقال لها سميه عبد الغني فإنه منصور وتوفى الشيخ محمود المذكور قبل ولادة الشيخ بأيام ثم وضعته في التاريخ المذكور[2]."

---

[1] الحموي، شهاب الدين أبو عبد الله ياقوت بن عبد الله، **معجم البلدان** (بيروت: دار صادر، 1995ء)، 5:248

Al-Ḥamawī, Shihāb al-Dīn Abū ʻAbd Allāh Yāqūt ibn ʻAbd Allāh, *Muʻjam al-buldān* (Bayrūt: Dār Ṣādir, 1995), 5:248

[2] الحسيني، محمد خليل بن علي بن محمد بن محمد، **سلك الدرر في أعيان القرن الثاني عشر**، (بيروت: دار البشائر الاسلامية، دار ابن حزم، 1408ھ)۔ 3:31

Al-Ḥusaynī, Muḥammad Khalīl ibn ʻAlī ibn Muḥammad ibn Muḥammad Murād, *Silk al-Durar fī aʻyān al-qarn al-Thānī ʻashar* (Bayrūt: Dār al-Bashā'ir al-Islāmīyah, Dār Ibn Ḥazm, 1408h), 3:31

تعلیم وتربیت

تعلیم و تربیت کسی بھی شخصیت کو نکھارنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تعلیم و تربیت کا آغاز گھر سے ہوتا ہے اور اس کے اثرات درجہ بدرجہ یوں ظاہر ہوتے ہیں آغوش مادر میں کلمات خیر پر مشتمل لوریاں کان سماعت کرتے ہیں ، گھر کے آنگن میں والد کے اعمال صالحہ آنکھیں دیکھتی ہیں ، مدرسے میں استاد کے کلمات رشد و ہدایت دل میں اترتے ہیں اور بچے کے دل و دماغ پر نقش ہو جاتے ہیں اور پھر جب وہ ان پر عمل پیرا ہوتا ہے تو یہ مراحل تربیت اُسے فرد فرید بننے میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا آغاز قرآن مجید سے کرنا ثقافت اسلامی کا بنیادی پہلو ہے۔ اور ہمیشہ اہل اسلام کا معمول رہا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"عن عثمان بن عفان قال: قال النبی ﷺ ان أفضلكم من تعلم القرآن وعلّمه "[1]

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک تم میں سب سے افضل وہ ہے جس نے خود قرآن سیکھا پھر اسے سکھایا۔

آپ کے والد گرامی ایک عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ صوفی بھی تھے ، بچپن ہی سے آپ کو باقی بھائیوں سے الگ رکھا اور فرماتے تھے کہ میں اس فرزند میں فضیلت کے انوار دیکھتا ہوں۔ آپ کی تعلیم کا آغاز قرآن کریم سے ہوا، کم عمری میں ہی آپ نے حفظ قرآن کریم کی سعادت حاصل کرلی۔

اساتذہ

اساتذہ کا بچوں کی تعلیم و تربیت میں گہرا اثر ہے۔ ایک طالب علم ایک طرف استاد کے قول سے علم حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف استاد کے فعل سے آداب زندگی سیکھتا ہے۔ علامہ عبد الغنی نے اسلامی تراث اور علوم وفنون کی تعلیم اپنے زمانے کے ماہر اور جید اساتذہ سے حاصل کی۔

آپ نے فقہ اور اصول فقہ کی تعلیم شیخ احمد قلعی حنفی سے حاصل کی۔ عربی ادب میں علم نحو، علم معانی اور علم بیان شیخ محمود کردی سے حاصل کیا، حدیث پاک، علوم الحدیث اور اصول حدیث کا علم آپ نے شیخ عبد الباقی حنبلی سے پایا جبکہ علم تفسیر آپ نے مدرسہ سلیمیہ سے حاصل کیا۔ علاوہ ازیں آپ علامہ نجم غزی کے دروس میں حاضر ہوتے رہے اور ان کی عام اجازت میں داخل ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے شیخ محمد بن احمد اسطوانی ، شیخ عبد القادر بن مصطفیٰ صفوری شافعی، سید محمد بن کمال الدین حسنی حسینی بن حمزہ نقیب الأشراف ، شیخ محمد عیشاوي ، شیخ حسین بن

[1] **صحيح بخاري**، كتاب فضائل القرآن، باب: خيركم من تعلم القرآن وعلمه، رقم الحديث: 5028

Ṣaḥīḥ Bukhārī, Kitāb faḍā'il al-Qur'ān, Bāb : khyrkm min ta'allum al-Qur'ān wa-'ilmihi, raqm al-ḥadīth: 5028

سکندر رومی، شیخ کمال الدین عرضی حلبی دمشقی اور شیخ محمد بن برکات کوفی حمصی دمشقی کی شاگردی بھی اختیار کی اور ان سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کے اساتذہ میں حنفی، شافعی اور حنبلی مسلک کے جید علماء شامل ہیں۔

روایت حدیث

رسول اللہ ﷺ کا مبارک کلام اہل ایمان اور اہل علم و محبت کے سینوں میں ہمیشہ سینہ بسینہ منتقل ہوتا رہا ہے اور اس میں ایک سلسلۃ الذہب ہوتا ہے جس میں ہر راوی اپنے شیخ کا نام بیان کرتا ہے جس سے اس نے یہ کلام مبارک سنا ہوتا ہے اور پھر یہ اپنے شاگردوں کو آگے بیان کرنے کی باقاعدہ اجازت دیتا ہے اسے روایت حدیث کہتے ہیں۔ علامہ نابلسی نے اپنے زمانے کے کثیر محدثین سے احادیث مبارکہ کی سماعت کی اور ان سے روایت کرنے کی اجازت حاصل کی جن اساتذہ و شیوخ سے آپ روایت کرتے ہیں ان میں شیخ نجم غزی، ابو الحسن علی شبر املسی، اپنے والد گرامی ابو الفداء اسماعیل نابلسی، ابو المواھب حنبلی، شیخ عبد الباقی حنبلی اور ان جیسے دیگر محدثین کے نام شامل ہیں۔ عبد الحی کتانی لکھتے ہیں:

"يروى غالباً عن النجم الغزى وأبي الحسين على الشبر املسي ووالده أبي الفداء السماعيل النابلسي وأبي المواهب الحنبلي عامة ما لهم ويروى أيضا عن الشيخ عبد الباق الحنبلي و كمال الدين بن حمزة النقيب وعبد القادر الصفورى و محمد المحاسنى و ابراهيم القتال والشمس محمد العيشاوي وغيرهم [1]"

فقہی مذہب اور سلسلہ طریقت

فقہی مسائل میں آپ تقلید کے قائل تھے اور اس اعتبار سے آپ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔ اور سلوک و طریقت کی منازل طے کرنے کے لیے آپ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ کے ساتھ وابستہ رہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتاب "تعطیر الانام" میں خود بیان فرمایا ہے۔

صوفیاء کی تاریخ ہی یہ ہے کہ اکثر اکابر مشائخ کا یہ طریقہ رہا ہے کہ پہلے شریعت کا علم حاصل کرتے تھے پھر سلوک کی منازل طے کرتے اور باطن کی صفائی کے لیے کسی بزرگ کے پاس حاضر ہو جاتے۔ جیسے فقہ میں کئی مسالک بنے اور ان میں سے چار کو شہرت حاصل ہوئی ایسے ہی تصوف میں بھی کئی سلاسل وجود میں آئے جن میں سے چار کو

[1] الكتاني، محمد عَبْد الحَيّ بن عبد الكبير ابن محمد الحسني الإدريسي، **فهرس الفهارس والأثبات ومعجم المعاجم والمشيخات والمسلسلات** (بيروت: دار الغرب الإسلامي 1982)، 2:257

Al-Kattānī, Muḥammad abd alḥayy ibn Abd al-kabīr Ibn Muḥammad al-Ḥasanī al-Idrīsī, *Fahris al-Fahāris wa-al-athbāt wa-mu'jam al-ma'ājim wa-al-mashyakhāt wa-al-musalsalāt* (Bayrūt: Dār al-Gharb al-Islāmī 1982), 2:257

شہرت حاصل ہوئی۔ اکثر مشائخ سلاسل تصوف میں سے کئی ایک سلسلہ کے ساتھ منسلک ہوتے ہیں جبکہ بعض مشائخ نے بیک وقت ایک سے زائد سلاسل سے اکتساب فیض کیا، علامہ نابلسی کا شمار ان حضرات میں ہوتا ہے جنہوں نے ایک سے زائد سلاسل کے بزرگوں سے جام معرفت پیا۔ آپ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ نقشبندیہ دونوں سے مستفیض ہوئے۔ آپ نے سلسلہ قادریہ کے اسباق شیخ سید عبد الرزاق حموی گیلانی اور سلسلہ نقشبندیہ کے اسباق شیخ سعید بلخی سے حاصل کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہ العزیز اور دیگر اکابر صوفیاء جیسے ابن سبعین اور عفیف تلمسانی کی کتب کا بھی مطالعہ جاری رکھا جس کی وجہ سے آپ پر ان کی برکات ظاہر ہوئیں اور آپ کو علم لدنی نصیب ہوا۔

ابو الفضل محمد بن خلیل فرماتے ہیں:

> أخذ طريق القادرية عن الشيخ السيد شيخ عبد الرزاق الحموي الكيلاني وأخذ طريق النقشبنديه من الشيخ سعيد البلخي و ابتداء في قرأة الدروس والقائها والتصنيف لما بلغ عشرين عاما وأدّ من المطالعة في كتب الشيخ محى الدين ابن العربي قدس الله سره وكتب السادة الصوفية كابن سبعين والعفيف التلمساني فعادت عليه بركة أنفاسهم فأتاه الفتح اللدني"[1]

اس اعتبار سے گویا علامہ نابلسی کو سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ دونوں سے نسبت خاص حاصل ہے۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اپنے زمانے کے جید مفتی اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم صوفی بھی تھے اور اپنے دور کے جلیل القدر صوفیاء سے اکتساب فیض کیا اور شیخ ابن العربی رحمہ اللہ جسے عالی فکر صوفی کی کتب کا مطالعہ اور ان جیسے دیگر صوفیاء کی تعلیمات کا مطالعہ علامہ کی علو فکر اور پاکیزگی خیالات پر دال ہے۔

شاعری

نثر کے ساتھ نظم و شعر بھی ہر زبان کے ادب میں اہمیت رکھتا ہے اور ہر دور میں ابلاغ کا ایک اہم آلہ تصور کیا جاتا رہا ہے۔ شعر و ادب کی مختلف اصناف ہیں جن میں اپنے اپنے دور کے ہر شاعر نے طبع آزمائی کی ہے بلکہ ادب کی آڑ میں فحاشی، عشق مجازی، بد عقیدگی اور بغاوت کو فروغ دیتے رہے جبکہ تاریخ میں ایسے سلیم الفطرت اور عالی فکر لوگ بھی گزرے ہیں جنہوں نے نظم و نثر دونوں میں اطاعت خداوندی، حُب رسول ﷺ، حسن سیرت، علم و عرفان اور صالحین کے جذبات ابھارنے کی مساعی جمیلہ کی ہے۔ عربی زبان و ادب میں بھی ان دونوں اَصناف میں

[1] سلک الدرر فی أعيان القرن الثاني عشر، 31:3
Silk al-Durar fī aʻyān al-qarn al-Thānī ʻashar, 3:31

مختلف الخیال افراد نے اپنا حصہ شامل کیا۔ علامہ عبد الغنی نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے شاعری کو نشر خیر کا ذریعہ بنایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس کی عمر میں اپنے والد گرامی کی وفات پر ان کی تعریف میں ایک نظم لکھی البتہ شاعری کا باقاعدہ آغاز پچیس برس کی عمر میں کیا۔ نبی کریم ﷺ کی نعت میں آپ نے کئی اشعار لکھے اور وہ تقریباً تین دیوان بن گئے۔ مليح البديع في مدح الشفيع ﷺ، نسيمات الأسحار في مدح النبي المختار ﷺ، نفحة القبول في مدحة الرسول ﷺ۔

محمد احمد درنیقہ نے بیان کیا:

"ديوانان في مدح الرسول ﷺ ، "مليح البديع في مديح الشفيع " و "نسيمات الأسحار في مدح النبي المختار "وأهم الأثار الباقية من أدب النابلسي هو المجموع الضخم الذي يحوى ما نظمه في المواجيد الذوقية والمدائح النبوية والأحاجي الشعرية والغزليات وقد سمى مدائحة النبوية ، "نفحة القبول في مدحة الرسول ﷺ"[1]

یعنی رسول اللہ ﷺ کی مدح میں دو دیوان ہیں ایک "مليح البديع في مديح الشفيع" اور "نسيمات الأسحار في مدح النبي المختار" اور علامہ نابلسی کے ادب کے باقی آثار میں وہ بہت بڑا مجموعہ کلام ہے جو ان کے ذوق لطیف کی ایجادات، نبی کریم ﷺ کی نعتوں اور شعری اور غزلی کلاموں پر مشتمل اور محیط ہے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ کے نعتیہ مجموعہ کا نام "نفحة القبول في مدحة الرسول" رکھا۔

شروع ہی سے آپ کو شاعری میں اتنی مہارت حاصل ہوگئی کہ لوگوں کو یقین ہی نہیں آتا تھا کہ واقعی یہ آپ کا کلام ہے۔ ابتداء میں آپ نے نبی کریم ﷺ کی شان میں ایک خوبصورت قصیدہ منظوم کیا تو بعض لوگ اس شک میں مبتلا ہو گئے کہ شاید یہ قصیدہ آپ کا اپنا لکھا ہوا نہیں بلکہ کسی اور کے قصیدے کو اپ نے اپنی طرف منسوب کر لیا ہے۔ اور وہ یہ مطالبہ کرنے لگے کہ آپ اس قصیدے کی شرح کر کے دکھائیں تو آپ نے ایک ماہ میں ہی اس مطالبے کو پورا کر دیا اور اس قصیدہ کی ایک جلد میں عمدہ شرح مکمل کر دی جیسا کہ "سلک الدرر" میں ہے:

---

[1] درنيقة، محمد أحمد، **معجم أعلام شعراء المدح النبوي** (بيروت: دار ومكتبة الهلال، س-ن)، 235

Darnīqah, Muḥammad Aḥmad, *Mu'jam A'lām shu'arā' al-madḥ al-Nabawī* (Bayrūt: Dār wa-Maktabat al-Hilāl, s.n.), 235

فنظم بديعية في مدح النبى ﷺ فاستبعد بعض المنكرين أن تكون من نظمه فاقترح عليه أن يشرحها شرحها في مدة شهر شرحاً لطيفاً في مجلد ثم نظم بديعية أخرى والتزم فيها تسمية النوع [1]۔

ابو الفضل محمد خلیل بن علی کہتے ہیں کہ آپ نے نبی کریم ﷺ کی تعریف میں فی البدیع ایک کلام لکھا تو بعض منکرین نے اس کے آپ کا کلام ہونے کو بعید خیال کیا تو آپ کو اس کی شرح لکھنے کا کہا گیا تو آپ نے ایک ماہ کی مدت میں ایک جلد میں ایک لطیف شرح لکھ دی اور پھر آپ نے ایسا ہی ایک اور کلام بھی لکھا اور اس میں اس نوع کا نام لکھنے کا التزام بھی کیا۔

مختلف اسفار

علامہ نے علمی و روحانی ترقی کے لیے مختلف ادوار میں مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ آپ کا پہلا سفر جس کا تاریخی حوالہ ملتا ہے وہ پچیس برس کی عمر میں دار الخلافہ کی طرف سفر تھا جو 1075ھ میں آپ نے کیا وہاں آپ نے مختصر قیام فر مایا۔ 1100ھ میں جبل لبنان کی طرف سفر کیا۔ 1101ھ میں قبلہ اول بیت المقدس اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کی قبر انور کی زیارت کے لیے کیا اور اس سفر کے حالات و واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا جس کا نام "الحضرة الأنسيه في رحلة القدسية" رکھا۔ پھر 1105ھ کے شروع میں آپ نے ایک اور سفر کیا جس میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور اس سفر کو آپ نے "الحقيقة والمجاز في رحلة بلاد الشام و مصر والحجاز" کے نام سے موسوم کیا. آپ کے یہ سفر صرف سیر و سیاحت کے لیے نہ تھے اگرچہ سیر و سیاحت بذات خود بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوتی بلکہ یہ آپ کے علم میں اضافے کا سبب بنے، آپ نے بہت سے علماء کی زیارت کی، ان کی علمی مجالس میں شریک ہوئے، بہت سے مسائل علمیہ پر بحث و تمحیص ہوئی اسی طرح مختلف مقامات مقدسہ کی زیارت روحانی بالیدگی کا باعث بنی۔

اولاد امجاد

اللہ تعالیٰ نے آپ کو باصلاحیت اور صالح اولاد سے بھی نوازا۔ آپ کے ایک بیٹے کا تذکرہ ملتا ہے جس نے آپ سے علمی و روحانی استفادہ کیا۔ اس کا نام آپ نے اپنے والد ماجد کے نام پر اسماعیل بن عبد الغنی نابلسی رکھا۔

ان کی ولادت 1079ھ میں رمضان المبارک کے بابرکت مہینہ میں ہوئی۔ یہ آپ کی اولاد میں سب سے بڑے تھے آپ کی پرورش میں ہی رہے اور آپ کے پاس ہی علوم دینیہ حاصل کیے۔ جب آپ نے حجاز مقدس کا سفر کیا تو یہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد مسند تدریس پر جلوہ گر ہوئے، تفسیر بیضاوی پر حاشیہ تحریر کیا اور

---

[1] سلک الدرر فی أعيان القرن الثانی عشر، 3:31

Silk al-Durar fī aʿyān al-qarn al-Thānī ʿashar, 3:31

اپنے والد گرامی کی کتاب کی شرح بھی لکھی۔ آپ کا وصال 1163ھ میں 20 ذی قعد مغرب کے بعد ہوا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن کیے گئے[1]۔ ان کے پانچ بیٹے تھے:

1. عز الدین طاہر بن اسمعیل
2. شمس الدین مصطفی بن اسمعیل
3. محي الدین عبد القادر بن اسمعیل
4. برھان الدین ابراھیم بن اسمعیل
5. ضیاء الدین عبد الغنی بن اسمٰعیل

ان میں سے اکثر نے علامہ نابلسی سے براہ راست علمی و روحانی فیض پایا ان کے القابات عز الدین، شمس الدین، محي الدین، برھان الدین اور ضیاء الدین ان کے مقام و مرتبہ کو آشکار کرتے ہیں۔

سیرت و کردار

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شخصی و جسمانی وجاہت اور علمی جلالت کے ساتھ ساتھ پاکیزہ سیرت و کردار کا مالک بھی بنایا تھا۔ علامہ صاحب ان تمام صفات اور اوصاف حمیدہ سے متصف تھے جن کو نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کا عکس جمیل کہا جا سکتا ہے آپ رحمۃ اللہ علیہ عمدہ سیرت کے مالک تھے، آپ نے اپنے دل اور زبان کو ہمیشہ اس طرح استعمال کیا کہ وہ شکران نعمت کا سبب بنیں نہ کہ کفران نعمت کا۔ آپ کی زبان آفات سے محفوظ تھی، آپ فضول گوئی اور لغو باتوں سے اجتناب کرتے تھے اور ظاہر ہے لغو اور لایعنی باتوں سے اجتناب کرنا کسی بھی مسلمان کے اسلام کی خوبصورتی اور حسن کا باعث ہے۔

آپ کا دل کسی کے بے جا بغض سے پاک اور صالحین، فقراء اور طالبان علم کی محبت سے لبریز تھا اور آپ ہمیشہ اپنے مرتبے کو امور سلطنت پر مامور افراد کے پاس ان حضرات کے حق میں اچھی سفارش کے لیے استعمال کرتے تھے اور آپ کی سفارش کو قبول بھی کیا جاتا تھا۔

علم کی نشر و اشاعت سے آپ کو لطف و سرور حاصل ہوتا تھا اور اس کے لیے آپ نے اپنی زبان اور قلم کا مسلسل استعمال کرتے ہوئے تقریر و تحریر کے ذریعے علم کا عظیم ورثہ اپنے پیچھے چھوڑا۔ آپ کو مال و دولت کی کثرت کے ساتھ ساتھ غناء کی دولت بھی نصیب تھی۔ آپ کے دل کے اندر سخاوت کا سمندر موجزن تھا۔

---

[1] العامري، محمد كمال الدين الغزي، **الورد الأنسي والوارد القدسي في ترجمة العارف عبد الغني النابلسي** (ليدن: دار بريل للنشر، 2012ء)، 546545

Al-Āmirī, Muḥammad Kamāl al-Dīn al-Ghazzī, *al-Ward al-Unsī wālwārd al-Qudsī fī tarjamat al-ʻĀrif ʻAbd al-Ghanī al-Nābulusī* (Līdin : Dār Brīl lil-Nashr, 2012), 545-546

آپ صاحب کرامت بزرگ تھے مگر کرامات کے اظہار کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ قائم اللیل تھے، رمضان المبارک کی مقدس راتوں میں نماز تراویح کی امامت خود فرماتے۔ آپ عالم باعمل اور عارف کامل تھے۔

علامہ صاحب کی علمی خدمات

علم اللہ تعالی کا ایسا انعام ہے جو خرچ کرنے سے کم ہونے کے بجائے بڑھتا ہے، علم کی تقسیم اور نشر و اشاعت کے مختلف اور متعدد طریقے ہیں کبھی اس کی تقسیم زبان سے ہوتی ہے اور کبھی قلم و قرطاس سے۔ زبان درس و تدریس اور خطاب وغیرہ میں استعمال ہوتی ہے اور قلم و قرطاس مضمون، رسالہ اور کتاب لکھنے کے کام کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں چیزیں انسان کی زندگی کے ساتھ ساتھ بعد از موت بھی اس کے لیے باعث اجر و ثواب ہوتی ہیں اور دیگر لوگوں کے لئے نفع بخش۔ شاگرد اس علم کے خزانے کو اگلی نسلوں میں منتقل کرکے اپنے اساتذہ کے وصال کے بعد بھی رفع درجات کا سبب بنتے ہیں ایسے ہی کسی مصنف کی تصنیفات اور کسی مؤلف کی تالیفات اس کے مرنے کے بعد بھی مختلف امور میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں اور دار الجزاء میں چلے جانے کے بعد بھی اعمال صالح میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ علامہ صاحب کو دونوں اعتبار سے حظ وافر نصیب ہوا۔ آپ مسند ارشاد پر متمکن رہے جس کی وجہ سے آپ کے کئی تلامذہ و مریدین نے آپ کے علمی و روحانی فیض کو آگے جاری رکھا۔

ایسے ہی تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزرنے کے باوجود آپ کی تصنیفات آج بھی طالبین رشد و ہدایت کے لیے مشعل راہ ہیں۔ سطور ذیل میں آپ کی ان خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا جائے گا۔ پہلے آپ کی تدریسی خدمات کا تذکرہ کیا جائے گا بعد ازاں آپ کے تلامذہ اور علمی و تصنیفی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔

تدریسی خدمات

علامہ صاحب نے جامع اموی میں درس کا آغاز کیا آپ صبح کے اوقات میں مختلف فنون کی تعلیم دیتے تھے اور عصر کے بعد الجامع الصغیر، اربعین نووی اور اذکار نوویہ کا درس دیتے تھے۔ آپ نے عمر کے آخری حصہ میں بہت سارے لوگوں سے بیعت لی جیسا کہ علامہ خلیل بن علی نے بیان کیا

"وشرع في إلقاء الدروس بالجامع الاموى فأقرأء بكرة لنهر في عدة فنون وبعد العصر في الجامع الصغير ثم الاربعين النووي ثم الأذكار النووية وغيرها وبايع في آخر عمره سنة وفاته جميع العباد بالملأ العام بين الا نام"[1]

---

[1] سلک الدرر فی أعیان القرن الثانی عشر، 31:3.
Silk al-Durar fī aʿyān al-qarn al-Thānī ʿashar, 3:31

تلامذہ

ابو البرکات زین الدین شیخ مصطفی بن محمد بن رحمت اللہ بن عبد المحسن بن جمال الدین ایوبی انصاری

آپ کی نسبت مشہور صحابی حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی طرف ہے۔ آپ حنفی المسلک تھے اور دمشق میں ولادت کی وجہ سے آپ کی نسبت دمشقی تھی۔ آپ اپنے زمانے کے مشہور فقیہ تھے۔ ولادت 24 محرم الحرام 1135ھ بدھ کی رات کو ہوئی۔ اپنے والد گرامی کی گود میں پرورش پائی۔ علامہ صاحب نے آپ کو اجازت حدیث عطا فرمائی۔

شیخ مصطفی بن عبد اللہ بن محمود الکردی

شیخ مصطفی کردی دمشقی شافعی المسلک تھے اور کاتب کے نام سے مشہور تھے۔ دمشق میں 1115ھ کو پیدا ہوئے۔ اپنے والد گرامی سے علم حاصل کیا۔ ملا حسن بن موسی البانی اور ملا الیاس کورانی کے ساتھ رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ علامہ صاب علم حاصل کیا اور حدیث پاک کا سماع کیا۔

شیخ عبد الرزاق بن حسن نے بیان کیا، الشيخ مصطفى بن عبد الله بن محمود الكردى الاصل العبد لاني الشافعي الدمشقى الشهير بالكاتب ولد بدمشق سنة خمس عشرة مائة والف نشأ في حجر المجد والعز العالى وتربي في معهد السعد والمعالي وأخذ عن والده المذكور ولازم العلامتين الملا حسن بن موسى البانى و الملا الياس الكوراني وعن العلامة الشيخ عبد الغني النابلسي وسمع منه حديث الأولية۔[1]

ابو الفدء اسمعیل بن محمد بن عبد الھادی جراحی

ان کی ولادت 1087ھ کو عجلون میں ہوئی اور 1162ھ کو وفات پائی۔ جن حضرات سے علم حاصل کیا ان میں ابو المواہب حنبلی، محمد کاملی، الیاس کردی اور نجم الدین رملی شامل ہیں۔ اور جن لوگوں نے ان کو اجازت عطاء فرمائی ان میں علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمہ بھی شامل ہیں۔

شیخ محمد بن عبد الرحمن بن زین العابدین دمشقی شافعی

ان کی ولادت 1068ھ کو دمشق میں ہوئی شافعی المسلک تھے محدث ہونے کے ساتھ ساتھ علم تاریخ اور علم الانساب میں قابل رشک مہارت رکھتے تھے۔ جن حضرات سے اجازت حدیث حاصل کی ان میں علامہ عبد الغنی نابلسی نمایاں ہیں۔ ان کے علاوہ جن جلیل القدر علماء و محدثین نے علامہ صاحب سے اکتساب فیض کیا ان میں شیخ طہٰ بن

---

[1] الميداني، عبد الرزاق بن حسن بن إبراهيم البيطار، **حلية البشر في تاريخ القرن الثالث عشر** (بيروت: دار صادر، 1993ء)، 1543

Al-Maydānī, ‘Abd al-Razzāq ibn Ḥasan ibn Ibrāhīm al-Bayṭār, *Ḥilyat al-bashar fī Tārīkh al-qarn al-thālith ‘ashar* (Bayrūt : Dār Ṣādir, 1993), 1543

مصطفیٰ حلبی، شیخ عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد بن محمد حنبلی، علامہ شہاب احمد بن علی، علامہ علی بن محمد بن سلیم، علامہ ابو لعون شمس الدین محمد بن احمد سفارینی، علامہ عبد الکریم بن احمد بن علوان، علامہ عبد الرحمن بن ابراہیم بن احمد دمشقی، علامہ عبد الرحمن بن علی بہلول دمشقی، شیخ عبد الوہاب بن مصطفیٰ بن ابراہیم بن محمد دمشقی، شیخ محمد بن ابی بکر مرعشی، شیخ مصطفی بن مرتضیٰ بن حسن کردی جیسے لوگ شامل ہیں۔

مرض اور وفات

ہر ذی روح نے دار العمل سے دار الجزاء کی طرف کوچ کرنا ہے۔ مگر کوچ کے انداز اور کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔ وہ خوش بخت اور سعادت مند اشخاص جو اپنی فانی سانسوں کو باقی رہنے والے پروردگار کے نام کر دیتے ہیں ان کے لیے بیماری اور آزمائش ملاقات یار کی منازل طے کرنے کا سبب ہوتیں ہیں۔ وہ تکلیف میں وصال کی لذت سے آشنا ہوتے ہیں، اور وہ عمل کے میدان میں ایسی عبادت و ریاضت اور خدمت خلق کر کے جاتے ہیں کہ دار آخرت میں ان کو چین اور سکون کی حیات جاوداں عطا ہوتی ہے۔ ان کی موت وصال کہلاتی ہے وہ سعید جماعت جن کو نفس مطمئنہ نصیب ہوتا ہے ان کی موت یار کو یار سے ملانے کا ذریعہ بنتی ہے۔ ان کے وصال کے وقت انھیں يَاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿٢٧﴾ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿٢٨﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿٢٩﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿٣٠﴾ [1] کی صدائے دل نواز آتی ہے کہ اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ آ اس حال میں کہ وہ تجھ پر راضی ہو اور تو اس پر راضی ہو، پھر میرے (مقبول) بندوں میں داخل ہو اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

علامہ کا شمار ایسی ہی عظیم ہستیوں میں ہوتا ہے جن کی موت ابدی زندگی اور وصل یار کا پیغام لائی۔ آپ نے 93 برس کی عمر پائی اور 16 شعبان 1143ھ کو بیمار ہوئے اور 24 شعبان 1143ھ بروز اتوار عصر کے وقت وصال فرما گئے۔ آپ کی نمازِ جنازہ اگلے دن بروز سوموار ادا کی گئی۔ کثیر افراد نے آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کی۔ آپ کی تدفین اس قبہ میں کی گئی جو 1126ھ کے آخری ایام میں آپ نے خود تعمیر کروایا۔

قدیم ادوار میں ہجری و قمری تقویم کا رواج تھا جب کہ عصر حاضر میں شمسی و عیسوی تقویم مروج اور زیادہ معروف ہے۔ آپ کی وفات شمسی تقویم کے اعتبار سے 1731ء میں ہوئی اس اعتبار سے آپ کی عمر نوے برس بنتی ہے۔" سلك الدرر" میں آپ کی مرض اور وصال کے بارے میں یہی مذکور ہے۔

علامہ عبد الغنی نابلسی کی اہم تصنیفات کا تعارف

علامہ صاحب کی تقریباً دو سو سے زائد تصنیفات کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے کچھ مطبوعہ ہیں اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔ چند اہم مطبوعہ کتب کا تعارف درج ذیل ہے:

---

[1] الفجر، 89:27-30
al-Fajr, 89: 27-30

1. کشف النورعن اصحاب القبور

علامہ صاحب کی یہ کتاب یا رسالہ جو چوالیس صفحات پر مشتمل ہے یہ اولیاء کرام کی وصال کے بعد کرامات، مزارات پر قبے بنانے اور چادریں چڑھانے کے حوالے سے ہے۔ علامہ نابلسی کے نزدیک کرامات بعد الموت بھی اسی طرح صحیح اور ثابت ہیں جس طرح اولیاء کرام کی زندگی میں ثابت ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کرامات کا ظہور اولیاء کرام سے وصال کے بعد ہوتا ہے۔ کرامات کی حقیقت پر بڑی مدلل اور فلسفیانہ بحث کرنے کے بعد علامہ صاحب نے چند دلائل اور پھر مختلف اولیاء کرام سے ظاہر ہونے والی کرامات کو بطور حوالہ ذکر کیا ہے۔

آپ کے نزدیک کرامات کے ثبوت پر درج ذیل دلائل دلالت کرتے ہیں۔

اسلام میں قبر کی تعظیم و تکریم اور قبر پر چلنے اور بیٹھنے کی ممانعت ہے۔ اس حوالے سے آپ نے فقہاء کے دلائل کا تذکرہ فرمایا فرماتے ہیں:

> "قال في مختصر محيط السرخي للامام الخبازي: كره ابوحنيفة رحمه الله تعالى أن يطاء على قبر ويجلس أو ينام عليه ويبول أو يتغوط لما فيه من الاهانة."[1]
>
> امام خبازی نے "مختصر محیط السرخی" میں فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبر پر چلنا، بیٹھنا، اس پر سونا، چھوٹا یا بڑا پیشاب کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں قبر کی توہین ہے۔
>
> ایسے ہی جامع الفتاوی، امام خجندی اور صاحب فتح القدیر کے حوالے سے ان کے فتاوی کا ذکر بھی کیا ہے۔

2. میت کے غسل و کفن اور تدفین کا وجوب

علامہ نابلسی کے نزدیک مابعد الموت کرامات کے ثبوت پر مسلمان میت کے غسل کا وجوب اور اسکی تکفین و تدفین کا وجوب بھی ہے۔ اس پر بھی علامہ صاحب نے دلائل ذکر فرمائے ہیں۔

3. اہل قبور کو سلام کرنا

قبرستان میں جا کہ اہل قبور کو سلام کرنا بھی اس بات پر دلالت ہے اور یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے جیسا کہ حضور نبی رحمت ﷺ سے بقیع شریف میں قبور کے پاس کھڑے ہو کر سلام اور دعا کرنا ثابت ہے آپ لکھتے ہیں:

---

[1] نابلسی، عبدالغنی، **کشف النور عن اصحاب القبور** (قاهرة: دارة الكرز، س۔ن)، 5

Nāblsyi, ‘bdālghnyi, *Kashf al-Nūr ‘an aṣḥāb al-qubūr* (Cairo : Dārat al-Karaz, s.n.), 5

"کما کان یفعل ﷺ فی الخروج إلی البقیع ویقول: السلام علیکم دار قوم مؤمنین و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون اسأل اللہ لی ولکم العافیۃ."[1]

یعنی جیسا کہ نبی کریم ﷺ بقیع کی طرف تشریف لے جاتے تو آپ کیا کرتے تھے اور آپ فرماتے: اے اہل ایمان تم پر سلامتی ہو اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمھیں ملنے والے ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمھارے لیے عافیت کی دعا کرتا ہوں"

علامہ نابلسی یہ سارے دلائل ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ذلك فی حق قبور عوام المؤمنین فکیف قبور خواصهم من أهل التوحید الکامل الیقین من المقربین إلی اللہ تعالی، وفی ذلك ثبوت الکرامة بعد الموت ایضاً۔[2]

یہ سارے امور عام مومنین اور انکی قبور کے متعلق ہیں تو ایسے خواص کی قبور کی کیا کیفیت ہو گی جو توحید پر کامل یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ہیں۔

مزارات پر قبہ بنانے کا ثبوت

علامہ نابلسی علماء و مشائخ اور سادات کے **مزارات پر قبہ** بنانے کے قائل ہیں اس حوالے سے بھی انہوں نے دلائل ذکر کیے ہیں۔ جامع الفتاوی میں ہے: "ان البناء علی القبر لا یکرہ إذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات۔"[3] قبر پر قبہ بنانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ میت مشائخ و علماء اور سادات میں سے ہو.

اس حوالے سے آپ نے چند واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جن سے اولیاء کرام کی کرامات بعد الموت ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بزرگ کے بارے میں آپ نے لکھا کہ وہ اپنے والد کی قبر پر آکر ان کے ساتھ گفتگو کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ابو نعیم کی حلیۃ الاولیاء کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

أخرج ابونعیم فی الحلیة عن سعید بن جبیر قال: أنا و اللہ الذی لا إله إلا هو أدخلت ثابت البنانی فی لحدہ و معی حمید الطویل فلما ساوینا علیه اللبن سقطت لبنة فإذا به یصلی فی

---

[1]۔ ایضاً

Ayḍan

[2] ایضاً، 7

Ayḍan, 7

[3] ایضاً، 8

Ayḍan, 8

قبرہ وكان يقول: اللهم إن كنت أعطيت أحدا من خلقك الصلوة في قبره فأعطنيها فما كان الله ليرد دعائه .[1]

ابو نعیم نے الحلیۃ میں حضرت سعید بن جبیر سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں میں نے اور حمید الطویل نے ثابت بنانی کو لحد میں اتارا۔ جب ہم نے ان پر مٹی کو برابر کر دیا تو ایک اینٹ گر گئی تو میں نے دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور وہ دعا مانگا کرتے تھے کہ یا الٰہی اگر تو اپنی مخلوق میں سے کسی کو قبر میں نماز کی توفیق عطا فرمائے گا تو مجھے بھی یہ توفیق دینا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو قبول فرمالیا۔

علامہ صاحب نے مختلف صحابہ کرام کے واقعات کا بھی ذکر کیا ہے جو قبر میں قرآن مقدس کی تلاوت فرماتے، کوئی سورہ ملک کی تلاوت کرتا تو کوئی قرآن کے کسی اور حصہ کی تلاوت کرتا۔

مزارات پر چادر چڑھانا

اسی طرح علامہ صاحب نے اولیاء کرام کی عزت و کرامت عامۃ الناس کے دلوں میں پیدا کرنے کی غرض سے ان کی قبروں پر چادریں چڑھانے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ قبور پر ہاتھ رکھنے کے حوالے سے آپ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ سنت تو نہیں ہے البتہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور اس کے جواز اور عدم جواز کا مدار نیت پر ہو گا اگر ہاتھ رکھنے والے کی نیت اچھی ہے تو یہ عمل درست ہو گا اور خیر پر مبنی ہو گا باقی رازوں کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔

الحديقة اللندية شرح الطريقة المحمدية

الطريقة المحمدية حضرت علامہ محمد بن پیر علی المعروف بر کلی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 981ھ) کی کتاب ہے جو اپنے زمانے کے بڑے امام اور مشہور عالم تھے۔ حضرت بر کلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کی تین فصلیں ہیں۔

پہلی فصل کتاب و سنت پر عمل کے متعلق ہے۔ دوسری فصل بدعات کے متعلق ہے اور تیسری فصل میانہ روی کے حوالے سے ہے۔ دوسرے باب کی بھی تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل عقائد کی اصلاح کے بارے میں ہے۔ دوسری فصل ایسے علوم پر مشتمل ہے جو مقصود لغیرہ ہیں۔ تیسری فصل تقویٰ کے بیان میں ہے۔ تیسرے باب میں ان امور کا بیان ہے جن کو تقویٰ میں شمار کرنے کی غلطی کی گئی۔ یہ بھی تین فصول پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل طہارت کے حوالے سے دقیق مسائل کے بیان میں ہے۔ دوسری فصل تنخواہ دار لوگوں کے ہاں کھانے سے اجتناب کرنے کے بارے میں ہے۔ تیسری فصل بدعت کے زمرہ میں آنے والے امور کے متعلق ہے۔ جب یہ کتاب منظر عام پر آئی

---

[1] ایضاً، 14

Ayḍan, 14

تو اہل علم و معرفت نے اس کی شروحات لکھیں۔ اسکی چھوٹی، بڑی شروحات کی تعداد چودہ کے قریب ملتی ہے۔ ان شروحات میں ایک عمدہ ترین شرح "الحدیقۃ الندیۃ" ہے جو علامہ عبدالغنی نابلسی کی تالیف ہے۔
آپ نے اس کے مقدمہ میں دین کو تین چیزوں: شریعت، طریقت اور حقیقت کا مجموعہ قرار دیا ہے۔ شریعت سے مراد نبی کریم ﷺ کے وہ اقوال و افعال ہیں جو مجتہدین کے سامنے ظاہر ہوئے۔ طریقت سے مراد نبی کریم ﷺ کے وہ اقوال و افعال ہیں جو راہ سلوک طے کرنے والوں کے سامنے ظاہر ہوئے۔ جب کہ حقیقت سے مراد وہ معاملات ہیں جن کا نزول براہ راست نبی کریم ﷺ کے قلب اطہر پر ہوا۔ جب یہ معاملات اہل معرفت پر ظاہر ہوئے تو انہیں حقیقت کہا گیا۔
فقہاء جو کہ شریعت کے محافظ وہ پاس دار ہیں نے مسائل شرعیہ کو مدون کیا۔ صوفیا اور اہل طریقت نے تصوف و طریقت کے حوالے سے کتب لکھیں۔ جب کہ اہل حقیقت نے حقیقت کو موضوعِ تحقیق و تصنیف بنایا۔
علامہ نابلسی کی مشہور زمانہ کتاب "الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ" شریعت و طریقت یعنی فقہ و تصوف کا معتدل اور متوسط راستہ ہے اور علم طریقت کے موضوع پر اعلیٰ اور عمدہ تصنیفات میں سے ہے۔ اس کتاب میں خالصتاً فقیہانہ ابحاث بھی ہیں۔ مثلاً بدعت اور اس کی مختلف صورتوں اور اقسام کا مفصل بیان اور اصول شرع کا تفصیلی بیان۔ اس کے ساتھ ساتھ خالصتاً صوفیانہ ابحاث بھی ہیں۔ جیسے الہام کی شرعی حیثیت، شریعت و طریقت کا باہمی ربط اور رہبانیت کا بیان وغیرہ۔

دیوان الدواوین

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصنیف چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد تصوف کے موضوع پر ہے۔ یہ کتاب 1302ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ کوئی جلد زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ دوسری جلد نبی کریم ﷺ کی نعت پر مشتمل ہے۔ تیسری جلد میں قصائد اور مکتوبات ہیں جبکہ چوتھی جلد غزلیات پر مشتمل ہے۔

ذخائر المواریث فی الدلالۃ علیٰ مواضع الاحادیث

علامہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں صحاح ستہ کی احادیث کی ایسی فہرست مرتب فرمائی ہے جو ان کتابوں میں موجود حدیث طیبہ پر محقق کی راہ نمائی کرتی ہیں اور اس حدیث تک پہنچنے میں اس کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ آپ نے اس کتاب کو بطور کتاب الاطراف مرتب فرمایا ہے اور یہ کتاب تخریج حدیث کے حوالے سے بالعموم اور راویٔ اعلیٰ کے ذریعے احادیث کی تخریج کے حوالے سے بالخصوص اہمیت کی حامل ہے۔ چونکہ مشرق و مغرب کے علماء میں صحاح ستہ کے حوالے سے اختلاف ہے؛ مشرقی علماء صحاح ستہ میں چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ کو شمار کرتے ہیں جبکہ مغربی علماء کے نزدیک مؤطا امام مالک چھٹی کتاب ہے۔ اس لیے آپ نے سنن ابن ماجہ اور مؤطا

امام مالک دونوں کی اطراف اس کتاب میں ذکر کر دی ہیں۔ تاکہ یہ مشرقی و مغربی تمام علماء کے نزدیک صحاح ستہ کو شامل ہو جائے۔

کتاب الاطراف سے مراد یہ ہے کہ مؤلف اس میں حدیث کو مکمل طور پر ذکر نہیں کرتا بلکہ حدیث کا عنوان یا حدیث کا صرف وہ حصہ ذکر کر دیتا ہے جو پوری حدیث پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ صاحب نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کی ہے:

"وقد اعتبرت المعنیٰ او بعضه دون اللفظ فی جمیع المرویات بحیث تذکر الروایة من الحدیث ویشار برموز الحدیث الی ما یوافقها فی المعنیٰ دون الکلمات فعلی الطالب ان یعتبر فی مطلوبه المعانی وهٰذا امر واضح عند من یتداول کتب الاطراف"[1]

ترجمہ: میں نے تمام مرویات میں مکمل معنیٰ یا اس کے کچھ حصہ کا اعتبار کیا ہے لفظ کا اعتبار نہیں کیا اس طرح کہ حدیث کی روایت کا ذکر کیا جائے گا اور کلمات کی بجائے معنیٰ میں جو حصہ موافقت رکھتا ہو گا اس کی طرف حروف کے رموز کے ذریعے اشارہ کر دیا جائے گا۔ لہٰذا طالب علم پر لازم ہے کہ وہ اپنے مطلوب میں معانی کا اعتبار و دھیان کرے۔ یہ معاملہ ہر اس شخص کے لیے واضح ہے جو کتبِ اطراف کو جانتا اور سمجھتا ہے۔

کتاب کے مشتملات کا تعارف

یہ کتاب سات ابوب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب صحابہ کے اسماء پر مشتمل ہے اور صحابہ کے اسماء کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ دوسرے باب میں ان صحابہ کا ذکر ہے جو کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ کنیتوں کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور اس میں "ابو" جو کہ کنیت کے آغاز میں ہوتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ تیسرے باب میں ان صحابہ کرام کا ذکر ہے جن کے نام مبہم ہیں۔ ان کی ترتیب ان سے روایت لینے والے راویوں کے اعتبار سے ہے۔ مبہم نام والے صحابہ سے مراد ایسی روایات ہیں جن میں نام و کنیت کی بجائے "عن رجل من اصحاب الرسول ﷺ" مذکور ہوتا ہے۔ چوتھا باب نبی کریم ﷺ سے روایت کرنے والی صحابیات کے بارے میں ہے اور یہ صحابیات کے اسماء پر مشتمل ہے۔ اسماء کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ پانچویں باب میں ان صحابیات کا ذکر ہے جو اپنی کنیتوں کے ساتھ مشہور ہیں۔ ان کی ترتیب بھی حروف تہجی کے اعتبار سے ہے۔ اس میں "ام" جو

---

[1] عبد المهدی بن عبد القادر، **طرق تخریج حدیث رسول اللہ ﷺ** (لاہور: المکتبة الاسلامیه 1434ھ)، 128

A‘Bdālmahdyi ibn ‘Abd-al-Qādir, *Ṭuruq tkhryij ḥdyith Rasūl Allah* (Lahor: al-maktab al-islāmiya, 1434h), 128

کنیت کی ابتدا میں ہوتا ہے اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ چھٹے باب میں مبہم نام والی صحابیات کا ذکر ہے اور ان کی ترتیب ان سے روایت کرنے والے راویوں اور راویات کے اعتبار سے ہے۔ ساتویں باب میں مرسل روایات کا ذکر ہے۔ اس میں راویوں کی ترتیب ارسال کرنے والے راویوں کے اعتبار سے ہے۔ پہلے مرسل روایت کرنے والے مرد راویوں اور پھر عورتوں کے اعتبار سے ہے۔

الحقیقۃ والمجاز فی رحلۃ بلاد الشام و مصر والحجاز

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سیر فی الارض کا حکم کئی بار ارشاد فرمایا نیز نبی کریم ﷺ سے روایت حدیث پاک میں اس راستے کو جنت کا راستہ قرار دیا جس پر علم کی طلب میں چلا جائے ۔ قلم و قرطاس سے رشتہ رکھنے والے بہت سے افراد اپنے سفر کی روئیداد کو بیان کرتے ہیں اور س کو سفر نامہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اس سے تصانیف کی یہ ایک قسم اور فن ہے۔

علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے علمی وروحانی ترقی کے لئے مختلف ادوار میں مختلف علاقوں کی طرف سفر کیا۔ آپ کا پہلا سفر پچیس برس کی عمر میں کیا جو کہ دار الخلافہ کی طرف 1075ھ میں تھا آپ نے وہاں پر مختصر قیام کیا۔ 1100ھ میں جبل لبنان کی طرف سفر کیا۔ 1101ھ میں قبلہ اول بیت المقدس اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی قبر انور کی زیارت کے لئے رخت سفر باندھا اوراس سفر کے حالات وواقعات کو ایک کتاب کی صورت میں قلمبند کیا جس کا نام "الحضرۃ الانسیۃ فی رحلۃ القدسیۃ" رکھا۔ پھر 1105ھ کے آغاز میں آپ نے ایک اور طویل سفر کیا جس میں حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کی اور اس سفر کی روئیداد میں ایک جامع کتاب لکھی جس کو "الحقیقۃ والمجاز فی رحلۃ بلاد الشام ومصر والحجاز" کے نام سے موسوم کیا۔[1]

یہ کتاب چونکہ تین ممالک شام، مصر اور حجاز مقدس کے سفری حالات کو بیان کرنے کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے یہ تین حصوں پر مشتمل ہے ہر حصے کو قسم کا نام دیا گیا ہے۔ القسم الاول میں شام کے سفری حالات وواقعات کو بیان کیا گیا ہے۔ القسم الثانی میں مصر کے سفری تجربات کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور القسم الثالث میں حجاز مقدس کی سعادتوں کو سپرد قرطاس کیا گیا ہے۔

سفر نامہ یومیہ انداز سے لکھا گیا ہے ۔ ہر دن کی روئداد کو بیان کیا گیا ہے القسم الاول ننانوے ایام کے تذکرے پر مشتمل ہے ۔ القسم الثانی میں 83 دنوں کی کارگزاری کو بیان کیا گیا ہے۔ ان دونوں حصوں میں انبیائے کرام علیہم السلام ، صحابہ کرام رضی اللہ عنھم ،اولیائے کرم رحمۃ اللہ علیھم ، ائمہ مجتھدین علیھم الرحمۃ اور مصنف علیہ

---

[1] الورد الأنسي والوارد القدسي في ترجمة العارف عبد الغني النابلسي، 107
Al-Ward al-Unsī wālwārd al-Qudsī fī tarjamat al-ʻĀrif ʻAbd al-Ghanī al-Nābulusī, 107

الرحمۃ کے آباواجداد کے مزرات پر حاضری، مختلف مدارس کے جائزہ اور وہاں کے اساتذہ سے علمی تبادلہ خیال، صوفیاء سے روحانی فیض اور مختلف حضرات کی مہمان نوازی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

القسم الثالث دوسوچھ ایام کے احوال پر مشتمل ہے۔ مصر سے مدینہ طیبہ تک کے احوال کو بیان کرنے کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضری، رمضان المبارک کی ساعتوں کو مدینہ النبی ﷺ میں بسر کرنے اور ان مختلف مقامات کا تذکرہ ہے جن کی زیارت سے فیض یاب ہوئے۔ پھر اس کے بعد مکہ مکرمہ کی حاضری اور مناسک حج کی ادائیگی کو بیان کیا گیا۔

اس کتاب میں جہاں ایک طرف نثر کی صورت میں احوال سفر کو بیان گیا ہے ہے تو دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر جو قصائد و مناقب اشعار کی صورت میں مصنف علیہ الرحمۃ نے نظم کئے ان کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اگر اس کتاب کے ماخذ و مراجع پر نظر دوڑائیں تو قرآن کریم، تفاسیر، متون حدیث، شروحات حدیث، کتب فقہ و فتاوی، کتب الرحلات، کتب الزیارات، کتب تواریخ البلدان، کتب التاریخ والتراجم، معاجم اللغویہ، اور دیگر علوم فنون کی ایک فہرست پائیں گے۔ جس سے ایک طرف اس کتاب کا تحقیقی معیار بلند ہوا ہے اور دوسری طرف مصنف علیہ الرحمۃ کی وسعت علمی اور مطالعہ کا بھی اظہار ہوتا ہے۔

تعطیر الانام فی تعبیر المنام

خواب کی اہمیت کا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ بہت سے احکام کی مشروعیت خواب کی وجہ سے ہوئی۔ اذان کا طریقہ خواب میں دکھایا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں ذبح کرنے کا حکم بذریعہ خواب ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب دکھایا گیا اور اس کی تعبیر کافی عرصے کے بعد واضح ہوئی۔ پھر قید میں حضرت یوسف علیہ السلام کو دو قیدیوں نے اپنے خواب بتائے تو اس کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمائی۔ پھر عزیز مصر کو جو خواب آیا اس کی تعبیر کے لئے آپ علیہ السلام کو ہی عرض کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سے علمائے اسلام کو تعبیر الرویاء کا علم عطاء فرمایا اور انہوں نے اس فن میں کتب تصنیف فرمائیں۔ علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ نے بھی اس فن میں ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام "تعطیر الانام فی تعبیر المنام" رکھا۔ اس کتاب کے آغاز میں آپ نے ایک جامع و مختصر مقدمہ تحریر فرمایا جس کی ابتداء آپ نے قرآن وسنت کی روشنی میں خواب کی اہمیت کو بیان کرنے سے کی پھر ملحدین کے خواب کے اسباب سے متعلق نظریات کو بیان کر کے اس کا مختصر رد لکھتے ہوئے خواب کے مزید اسباب کو واضح کیا۔ مزید آگے چل کر آپ نے قابل تعبیر خوابوں کی اقسام کو بیان کیا اور اچھے خوابوں کی اقسام کی وضاحت کی۔ اس کے بعد آپ نے کافر، حائضہ عورت اور جنبی کے خوابوں کی صحت کو تحریر کیا۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف امور پر مختلف فرشتوں کو مامور کیا ہوا ہے۔ مصنف علیہ الرحمۃ خوابوں پر مامور فرشتے کی شان کو بھی مقدمہ میں بیان کیا نیز خواب دکھانے کی حکمت، ان کی صداقت کے زمانے اور خواب کی حقیقت کو واضح کرنے کے ساتھ تعبیر پر سیر حاصل بحث کی ہے جس میں تعبیر کے اصول اور بغیر فہم کے تعبیر بتانے کی وعید کو بیان کیا۔

آپ نے اپنی کتاب حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کی اور ہر حرف حرف کو الگ باب کی صورت میں منظم کیا لیکن ذوات مقدسہ کے احترام اور تعظیم کو مد نظر رکھتے ہوئے ہر حرف کے آغاز میں ان ہستیوں کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر کو بیان کیا۔ پھر ان کے حفظ مراتب کا بھی خیال رکھا۔ مثلاً باب الالف کا آغاز اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی سے کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ سے استعاذہ کو بیان کیا۔ پھر کتب سماویہ میں سے آیات قرانیہ کو پہلے اور انجیل کو بعد میں ذکر کیا۔ پھر فرشتوں میں سے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو خواب میں دیکھنے کی تعبیر بتائی۔ اس کے بعد انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا ذکر خیر کیا اور حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام کا تذکرہ کیا[1] و علی ھذا القیاس

پھر آخر میں خاتمۃ الکتاب میں آپ علیہ الرحمۃ نے سب سے پہلے اللہ تعالی کی صفت علم کا اظہار ان الفاظ سے کیا واللہ أعلم بما ھو الحق والصواب في کل سؤال وجواب

اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ نے جن کتب سے استفادہ کیا ان کے نام اور ان کے عظیم مصنفین کے اسماء کو ذکر کیا اور اسابات کو بیان کیا کہ صرف دو جگہوں پر اپنی طرف سے لکھا جو اپنے ساتھ پیش آیا۔ آخر میں آداب تعبیر بیان کرنے کے بعد معبرین حضرات کے طبقات کو بیان کیا۔ اور پندرہ مختلف طبقات کا ذکر کیا جن میں انبیائے کرام علیہم السلام کو اول طبقہ میں ذکر کیا پھر اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین علیہم الرحمۃ، فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم، اور اس فن کے ماہرین علماء کو الگ الگ طبقات میں تقسیم کیا۔ یہ کتاب دار الفکر بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ تین سو اسی صفحات پر مشتمل ایک جلد میں ہے۔ اور اس کا اردو ترجمہ "خواب اور تعبیر" کے نام سے ادارہ اسلامیات لاہور نے شائع کیا ہے۔

ایضاح الدلالات فی سماع الآلات

علامہ عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ کی یہ کتاب سماع کے مسئلہ کے متعلق ہے۔ آپ علیہ الرحمۃ نے اس کتاب کے آغاز میں اس کی جو وجہ تالیف بیان فرمائی اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عوام وخواص میں یہ مسئلہ باعث نزاع تھا کچھ لوگ اس کی جائز صورتوں پر غور کئے بغیر حرمت کے بیان میں شدت اختیار کئے ہوئے تھے تو بعض دوستوں نے مسئلہ کی

[1] تعطیر الانام فی تعبیر المنام، 109

Ta'ṭīr al-anām fi ta'bir al-manām, 9-10

درست تفہیم کے لئے ایک رسالہ لکھنے کی التماس کی تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ ناز سے توفیق خیر کو طلب کرتے ہوئے اس کام کا آغاز کیا۔

آپ نے ابتداء میں فقہائے کاملین اور قصرین میں فرق واضح کیا کہ فقہائے کاملین اصول و فروع پر نظر رکھنے والے ہیں جبکہ فقہائے قاصرین اصول سے صرف نظر کرنے والے ہیں جو کہ مطلق اور مقید میں فرق نہیں کر سکتے نیز حکم کی علت کو تلاش نہیں کر سکتے ہیں اور آپ علیہ الرحمۃ نے اس کو بنیاد بنا کر دو اصول بتائے۔ اور اس کے بعد فتوی دینے کی شرائط کا ذکر کیا۔ اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ نے نفس مسئلہ پر بحث کا آغاز فرمایا اور مانعین سماع کے دلائل کے مصداق کو ذکر کیا اور فقہ حنفی کی معتبر کتب کے حوالہ جات سے اپنی گفتگو کو مزین کیا۔ اور "لہو" اور ملاھی" کی وضاحت کی کہ "لہو "سے مرادوہ اشیاء وامور ہیں جو خود حرام ہوں اور" ملاھی" سے مراد وہ اشیاءوامور ہیں جو حرام کاموں میں ڈال دیں۔

اس کے بعد آپ علیہ الرحمۃ نے بدگمانی کی مذمت کو بیان کیا۔ اور اس کے بعد کسی پر بدگمانی سے بچنے کی نصیحت کی ۔ پھر اپنی بحث کو جاری رکھتے یہوئے اس بات کی وضاحت مختلف مثالیں دے کر کی کہ آلات مطربہ کالہو سے استثناء ثابت کیا۔ جیسے جہاد کے وقت طبل کا بجایا جانا۔ نیز مزید اپنے والد گرامی کی کتاب سے بھی عید کے دن دف بجانے کے حکم کو واضح کیا کہ بعض حضرات کے نزدیک یہ جائز ہے اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا سے مروی عید کے دن دف بجانے والی عوایت سے استدلال کو بیان کیا۔ اور ثابت کیا کہ جب تک یہ چیز لہو تک نہ لے جائے اس کو ممنوع قرار نہیں دیا جائے گا۔ مزید اپنی بات کو دمشق کے قابل اعتماد حنفی عالم علامہ عبدالرحمن آفندی العمادی کے فتوی سے بھی موید کیا جو کہ ایک استفتاء کے جواب میں دیا گیا کہ جس کے دل میں نور معرفت ہو وہ سماع کی طرف پیش قدمی کرے۔ پھر اس کے بعد آپ نے مانعین کے چند دلائل کا جواب دیا۔ پھر اس کے بعد آپ نے فیصلہ کن انداز میں سحکم کے اعتبار سے ماع کی تین طرح کی تقسیم کی:

1. حرام: ان لوگون کا سماع جو شہوات نفسانیہ سے مغلوب ہوں
2. مباح: ان لوگوں کا سماع جو فوت شدہ یا غائب شخص کی یاد تازہ کرنے کے لئے ہو
3. مندوب: اس شخص کا سماع جس پر حب الٰہی عزوجل کا غلبہ ہو۔

پھر اس کے بعد بناوٹی صوفیاء اور حقیقی صوفیاء کے سماع کے درمیان فرق واضح کیا اور فقہائے کرام کی ممانعت والی روایات اور جواز والی روایات کے درمیان تطبیق بیان فرمائی کہ ممانعت والی روایات اول الذکر کے لئے ہیں اور جواز والی روایات موخر الذکر کے لئے پھر اپنی اس تطبیق کی تائید کے لئے مختلف روایات ذکر کی ہیں اور آخر میں خلاصہ کے طور پر لکھا کہ سماع کی حرمت کا حکم مطلق نہیں بلکہ مختلف قیود کے ساتھ مقید ہے اس لئے حکم لگاتے وقت ان قیود کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

خلاصۂ بحث

مندرجہ بالا تفصیل سے علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ کی ہمہ جہت شخصیت کے کئی روشن پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ بہت کم شخصیات ایسی سامنے آتی ہیں جن میں عمیق فقہی ذوق کے ساتھ ساتھ مذاقِ تصوف بھی اپنی معراج پر پہنچا ہوا ہو۔ علامہ کی شخصیت بھی ایسی ہی نادر ہستیوں میں سے ایک تھی۔ مختلف مسلک و مشرب کے لوگوں نے آپ سے کسب فیض کیا ہے۔ جس دور میں آپ پیدا ہوئے اس دور میں عالم اسلام کا ایک بڑا حصہ فرقہ واریت کی آگ میں جل رہا تھا۔ ایسے وقت میں کہ جب مختلف مسلک کے علماء کا ایک دوسرے کے ساتھ مل بیٹھنا بھی بہت مشکل تھا اس وقت میں آپ کا مختلف فقہی مذہب و مسلکِ تصوف کے حامل افراد کو اپنی مجلسِ علم میں اکتسابِ فیض کی اجازت دینا اور مکمل اخلاص کے ساتھ ان کی تربیت کا فریضہ سرانجام دینا کسی آپ کے اخلاص و للّٰہیت اور بصیرت کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ عقائد، ایمانیات، فقہ وفلسفہ اور دیگر متعدد علوم میں آپ نے عمدہ تالیفات پیش کی ہیں۔ ہر ایک تالیف ایسی ہے جس کے مطالعہ سے آپ کی علمی دسترس ظاہر و باہر نظر آتی ہے۔

تجاویز وسفارشات

علامہ عبد الغنی نابلسی علیہ الرحمۃ کی علمی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ ابھی تک آپ کی اکثر تالیفات مطبوعہ شکل میں ہمارے سامنے نہیں آسکیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی غیر مطبوعہ تالیفات کے مخطوطات تک رسائی حاصل کر کے ان پر تحقیق کی جائے تاکہ یہ قیمتی علمی ورثہ بھی اہل علم کی دسترس میں آسکے۔ علاوہ ازیں علامہ صاحب کی شخصیت کے دیگر کئی علمی پہلو ایسے ہیں جن پر عمدہ تحقیق سامنے لائی جاسکتی ہے۔ آپ کا مختلف انواع کے علوم میں کیا منہج رہا ہے اس کا مطالعہ بھی ایک اہم تحقیقی جہت ہے۔ علاوہ ازیں آپ کی تالیفات کی عصری معنویت و اہمیت پر تحقیقی کام کا سامنے لانا بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔